JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 02, January – June 2021

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

موجودہ عالمی سیاسی صورت حال: تاریخ یہود کی روشنی میں

The Current Global Political Scenario: In the light of Jewish history

Muhammad Asif*
Visiting Lecturer, Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

Aisha Sadaf**
Visiting Lecturer, Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

Abstract

This article aims to study the characteristics and introduction of Jews and their religion Judaism and its impact on the global world in the light of Jewish history. According to Jewish teachings, Jews are God's loving, favorite and chosen people. On the Day of Judgment they are free from the concept of punishment and surely deserve Paradise, because in the Hereafter Abraham will be seated at the gates of hell and will not allow any Israelis to enter into it. Literature of the Jewish religion creates a sense of superiority in this nation because of the concept of being a Chosen People. The concept of superiority, the killing of Gentiles, terrorism, suiciding attacks are the part of Jewish culture. It is a Jewish religious obligation that has been greatly affected to the non-Jewish nations, especially the Muslim Ummah. Jewish control of the global economy is a very dangerous situation for Muslims.

Keywords: *Judaism, Judgment, Punishment, Paradise, Abraham, Chosen people, Israelis, Hereafter, Superiority concept, Suiciding attacks, Terrorism,Gentile, Muslim Ummah.*

"The countries which attempt to disavow their cultural heritage and shift the identity of their country from one civilization to another they have instead created schizophrenic torn countries."(1)

CC BY

"جو ملک اپنے تہذیبی سرمائے کو ترک کر کے اپنی تہذیبی شناخت کسی اور تہذیب سے جوڑتے ہیں وہ شیزوفرینہ زدہ ٹوٹے ہوئے ملک ہوتے ہیں۔"

سموئیل پی ہنٹنگٹن کی بیان کردہ مذکورہ بالا تاریخی حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قوم اور کلچر لازم و ملزوم ہوتے ہیں جہاں قوم ہوگی وہاں اس کا کلچر بھی ہوگا یہ کلچر اس قوم کی پہچان ہوتا ہے اسی طرح ہر ملک اور قوم کا ایک تہذیبی ماضی ہوتا ہے قوموں کی بقا کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کو اپنے تہذیبی ماضی کی روشنی میں ترتیب دیں۔ بصورت دیگر قوم کا مستقبل خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ جن قوموں کو اپنی تہذیبی اثر پذیری کا اندازہ ہوتا ہے وہ نہ صرف اپنے ماضی سے تعلق قائم رکھتی ہیں بلکہ اپنے مستقبل کو اپنے ماضی کی روشنی میں ترتیب دینے کی کوشش بھی کرتی ہیں اس سے بھی آگے بڑھ کر ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کی تہذیبی برتری کو دیگر قوموں سے بھی تسلیم کرایا جائے۔ بیاناتِ تاریخ بتاتے ہیں کہ تہذیبی برتری کو تسلیم کرانے کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک یہ کہ طاقت، قوت اور اقتدار کی بنیاد پر اپنی تہذیبی برتری کو تسلیم کرایا جائے۔ قرآن کریم اور تاریخ میں فرعون کا ذکر، انسانی تاریخ میں سکندر اعظم کی فتوحات اور موجودہ دور میں بش اور ٹرمپ کا نقطہ نظر اس لحاظ سے یکساں ہے کہ ان سب لوگوں نے قوت اور اقتدار کے زور پر اپنی برتری کو تسلیم کرانا چاہا ہے جس کا اظہار برطانیہ کے فارن سیکرٹری آرتھر جیمز بالفور نے بھی مصر پر اپنے تسلط کے جواز میں یوں کیا تھا:

> "It is our business to govern, with or without gratitude, with or without the real and genuine memory of all the loss of which we have relived the population."(2)

"ہمارا کام حکومت کرنا ہے لوگ ہمارے شکر گزار ہوں یا نہ ہوں، خواہ وہ اس نقصان کو خلوص سے یاد رکھیں یا نہ رکھیں جس سے ہم نے مقامی آبادی کو بچایا ہے۔"

بالفور کے مذکورۃالصدر الفاظ برطانوی قوم کی حاکمانہ ذہنیت کی پوری پوری غمازی کرتے ہیں۔ اس انداز میں تہذیبی برتری تسلیم کرانے کے پس پردہ محکوم قوم کی فلاح و بہبود نہیں بلکہ اپنی برتری کے ساتھ ساتھ اپنے معاشی تحفظات کو تسلیم کرانا بھی ہوتا ہے۔ فرعون کا ذکر قرآن اور بائبل میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ وہ بھی مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي (3) کا نعرہ لگا کر اپنے اقتدار کی قوت کا اظہار اور اپنے تمدن کو بہترین تمدن بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ (4) اور اپنی چرب زبانی کو اچھی بات سَبِيلَ الرَّشَادِ (5) قرار دیتا تھا۔

تہذیبی برتری تسلیم کرانے کا ایک دوسرا طریقہ کار یہ ہوتا ہے جس میں قومی برتری کی افادیت مسلمہ ہونا طے شدہ ہوتا ہے اور اس تہذیبی برتری کو طاقت اور قوت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ دیگر اقوام کی فلاح و بہبود کے نقطہ نظر سے متعارف کرایا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں دیگر اقوام اس قسم کی برتری کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں بخوشی قبول کرتی ہیں۔ تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں اسکی قدیم ترین مثال مصر میں حضرت یوسفؑ کا دور اقتدار ہے۔ اس اقتدار سے پہلے کا معاشرہ کوئی اچھی تہذیب کا حامل نہیں تھا جس میں معاشرے کی خاتون اول غیر اخلاقی ذریعہ سے ایک خوبصورت اور حسین نوجوان سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنا چاہتی تھی اور اس پر ذرہ برابر بھی نہیں شرماتی بلکہ دیگر عورتوں کو بلا کر ان کے سامنے اس نوجوان کو پیش کر کے ڈنکے کی چوٹ پر برملا یہ کہتی

ہے کہ اگراس نے میرا کہنا نہ مانا تواس کو تمام عمر کے لئے قید میں ڈال دوں گی۔ لیکن جونہی حضرت یوسفؑ اقتدار سنبھالتے ہیں تو ملک میں یہ آوارگی ختم ہو جاتی ہے، اخلاقی اقدار قائم ہو جاتی ہیں، قانون کی پابندی کا پیمانہ قائم ہو جاتا ہے اور ملک کی معاشیات بھی مضبوط ہوتی ہے جس کے نتیجے میں قحط کے دنوں میں بھی ملک اتنا خوشحال ہوتا ہے کہ قریبی ممالک کے لوگ بھی آکر وہاں سے غلہ خرید کر لے جاتے ہیں،اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اس دور میں انسانوں کی جغرافیائی تقسیم بھی نہیں تھی۔

اول الذکر تہذیبیں قومی برتری اور لوٹ مار کی غیر انسانی خواہشات کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں اور معاشرے میں انسانیت کش رویے جنم دیتی ہیں جبکہ موئخر الذکر قسم کی مبنی برافادیت عامہ تہذیبیں الہامی احکام کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں اور معاشرے کو اعلیٰ اخلاقی اقدار فراہم کرتی ہیں۔اس سلسلہ میں ہم حضرت سلیمانؑ کی مثال بھی دے سکتے ہیں اوراس سلسلہ میں سب سے معتبر مثال مدینہ کی اس تہذیب کی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں تعمیر کرائی گئی جو دنیا کے عالمی منظر نامہ پر 1400 سال حکمرانی کرتی رہی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تعلیمی تقاضوں کی بشری خامیوں کے باوجود دنیا میں اعلیٰ تہذیب مانی گئی اور جس کو گبن ،ول ڈیورانٹ اور ایڈورڈ سائڈ جیسے مغربی مفکرین بھی خراج عقیدت پیش کرتے رہے ہیں اور جو آج اپنی سیاسی بے مائیگی کے باوجود یورپ کی تہذیب کے لئے خود یورپ میں ایک خطرہ تسلیم کی جا رہی ہے۔ تہذیبوں کا یہ تنوع اور اتار چڑھاؤ قانون فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس سلسلہ میں قانون فطرت بھی عجیب و غریب ہے اور وہ یہ ہے کہ عددی اکثریت یا زمانی وسعت خام تہذیبوں کو حاصل ہوتی ہے جب کہ اچھی تہذیب کو اخلاقی برتری اور معاشرتی عظمت حاصل ہوتی ہے۔تہذیبی تنوع کے اس قانون فطرت کا پس منظر در اصل کائنات میں انسان کا امتحان لیا جانا ہے جس کی خاطر اسے پیدا کیا گیا ہے جس کا قرآن میں یوں ذکر ہے :

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ (6)

"اس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے اور بعض کے بعض پر درجے بلند کر دیے ہیں تاکہ تمہیں آزمائے اس میں جو اس نے تمہیں دیا ہے۔"

یہ آزمائش طاقتور کی کمزور کے ذریعے، امیر کی غریب کے ذریعے، حاکم کی محکوم کے ذریعے ،آجر کی اجیر کے ذریعے ،بڑے کی چھوٹے کے ذریعے اور اچھے کی برے کے ذریعے ہوتی چلی آرہی ہے کہ کیا اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں دوسرے کا خیال بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔ قرآن کریم طاقت اور قوت کی بنیاد پر قائم تہذیبوں کو جس میں کمزور نظر انداز کئے جا رہے ہوں کو ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (7) سے تعبیر کرتا ہے اور اس فساد عظیم کے خاتمے اور انسانی فلاح و بہبود کی حامل تہذیب کو آنجناب ﷺ نے مدینہ کی ریاست کی شکل میں دنیا کے سامنے متعارف کرایا ہے، یہ مسلم تہذیب مستقل عالمگیر اخلاقی اقدار کی حامل تہذیب تھی، پوری دنیا کے انسانوں کی افادیت کی دعوے دار اور ان تمام معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے والی تہذیب تھی جو انسانی شرف واحترام کے منافی تھیں یا ہیں۔اس تہذیب نے اپنے الہامی اور افادیت عامہ پر مبنی ہونے کی بنا پر غیروں کو بھی اپنا بنا کر دنیا کی تمام تہذیبوں کو شکست سے دو چار کیا۔اس الہامی تہذیب کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. اس تہذیب کا بنیادی نقطہ حاکمیت قادر مطلق کے عقیدے کی بنا پر ایک نظام قائم کرنا ہے۔

2. یہ تہذیب انسانی خواہشات کا نہیں بلکہ انسانی مفادات کا پاس کرنے والی تہذیب ہے۔
3. دنیا کی غیر اسلامی تہذیبیں چار بنیادوں پر قائم رہی ہیں اور ابھی تک قائم ہیں، وہ چار چیزیں حاکمیت قادر مطلق کا انکار، قومیت کی بنیاد پر انسانوں کی تقسیم، کمزور افراد اور قوموں کا معاشی استحصال اور اخلاقی گراوٹ ہیں ان چاروں چیزوں کی اسلامی تہذیب میں قطعاً کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔
4. ان کے برعکس اسلامی تہذیب حاکمیت قادرِ مطلق، بلا تفریق رنگ و نسل انسانوں کی وحدت، فرد اور قوموں کا معاشی استحکام اور اخلاقیات کے زریں اصولوں پر مشتمل ہے۔
5. اس مثالی تہذیب کی بنیادی خصوصیت ہر شعبہ حیات میں الہامی اخلاقیات کی برتری کا قیام تھا اور ہے۔

قانون فطرت کے مطابق اس کائنات میں دوام کسی چیز کو بھی نہیں ہے وہ اچھی ہو یا بری، سورۃ الانعام کا مذکورۃ الصدر حوالہ اسی قانون فطرت کا بیان ہے۔اسی اصول کے تحت مستقل عالمگیر اخلاقی اقدار کی حامل یہ الہامی تہذیب بالآخر زوال پذیر ہو کر عالمی سیاسی منظر نامے سے غائب ہے اور کتب تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو گئی،اس کی جگہ پھر اسی انسانی ذہنوں کی تخلیق کردہ حاکمیت الہٰ کا انکار، قومی برتری، معاشی استحصال اخلاقی زوال کے اصولوں پر قائم تہذیبوں نے غلبہ پا لیا۔انسانی ذہنوں کی قائم کردہ یہ تہذیبیں انہیں مذکورہ بالا چاروں خصوصیات کے ساتھ مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے منصہ شہود پر آئی ہیں، کبھی یہ بابلی تہذیب کہلائی، کہیں مصری تہذیب کا روپ دھارا، کہیں یونانی فسطائیت کا لبادہ اوڑھا اور کہیں مغرب کے ہیومنزم، لبرلزم اور جمہوریت کے نام سے دنیا کی حکمران بن بیٹھی۔آج کا دور مغرب کی جمہوریت پسند حکمرانی کا دور اسی الحادی تہذیب کی ایک شکل ہے۔اس تہذیبِ مغرب کا نہ کوئی قابل فخر ماضی ہے نہ ہی حال انسان دوست ہے اس بنا پر نہ ہی اس تہذیب کا کوئی مستقبل ہے۔کسی تہذیب کا دوام واستقلال اس تہذیب کی افادیت عامہ پر مبنی ہوتا ہے۔آج کی یہ مغربی تہذیب جس کے عالمگیر ہونے کا غلط دعویٰ کیا جاتا ہے اصلاً یہودی روایات کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے جس کا ہم تفصیلی تعارف پیش کرتے ہیں:۔

قوم یہود کی تاریخ کا جائزہ

موجودہ دور کے سامی مذاہب میں قدیم ترین مذہب "یہودیت" کہلاتا ہے اس مذہب کی نسبت حضرت موسیٰؑ کی طرف کی جاتی ہے جس کی تائید یہودیت کے مذہبی لٹریچر یا تاریخ سے بالکل نہیں ہوتی اس لفظ "یہودیت" کے ماخذ کے بارے میں ڈکشنری آف بائبل کا مصنف لکھتا ہے:

> "Judaism is a term coined by the Greeks speaking Jews to designate the religious way of life in contrast to that of their neighbors, known as Hellenism. Paul similarly uses it in the scenes of the Jews religion and contrasts it with his new religion of Christianity. It's Hebrew equivalent "Yahdhuth" a pairing neither in the bible nor in the Talmud." (8)

"یہودیت ایک اصطلاح ہے جو یونانی یہودیوں نے اپنے ان پڑوسیوں کے برخلاف مذہبی طرز زندگی کو نامزد کرنے کے لئے استعمال کی تھی جن کو ہیلینزم کہا جاتا تھا۔ پال نے اپنے نئے مذہب عیسائیت کو ممتاز کرنے کے لئے لفظ یہودیت کا استعمال بھی انہی لوگوں کے لئے کیا جنہوں نے یونانیت سے ممتاز ہونا پسند کیا تھا۔ تاہم یہ لفظ "یہودیت" ہے جو بائبل اور تالمود میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔"

اس بناپر "یہودیت" کے نام سے پہچانے جانے والے مذہب کو حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب کر کے تسلیم کرنا یا کرانا ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰؑ ساتویں پشت پر حضرت ابراہیمؑ سے اس طرح ملتے ہیں: ابراہیم، اسحاق، یعقوب، لاوی، قاھات، عمرام، موسیٰ۔ عہد نامہ قدیم کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ۔ اسحاقؑ کے بھی دو بیٹے تھے جن میں سے بڑے کا نام عیسو تھا جو اسماعیلؑ کا داماد تھا اور دوسرے کا نام یعقوبؑ تھا انہی کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ حضرت یعقوبؑ کی نسل آپ کے نام اسرائیلی نسبت سے بنی اسرائیل کہلائی۔ اسرائیل کے بارہ بیٹے تھے روبیل، شمعون، لاوی، یہوداہ، یساکار، زبولون، یوسف، بنیامین، دان اور نفتالی، جاد اور آشر۔ جن میں سب سے بڑے کا نام یہودا اور سب سے چھوٹے کا نام بنیامین تھا۔ ان بارہ بیٹوں کی اولاد بعد ازاں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی شکل اختیار کر گئی۔ حضرت یعقوبؑ کے خاندان کے بارے میں بائبل کے بیانات انتہائی شرمناک ہیں (9)۔ بنی اسرائیل حضرت یوسفؑ (1906 ق م) کے مصر میں اقتدار کے زمانے میں قحط سالی کی وجہ سے عراق سے ہجرت کر کے مصر جا بسے۔ حضرت یوسفؑ کے دور میں مصر میں چرواہے بادشاہوں (Hyksos) کی حکمرانی تھی۔

آپؑ انبیاء کی تاریخ کے پہلے رسول ہیں جن کو سیاسی اقتدار بھی حاصل تھا یاد رہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق رسول مذہبی ہی نہیں بلکہ سیاسی حکمران بھی ہوتا ہے اس لئے کہ کوئی بھی بہترین سے بہترین ضابطہ حیات بغیر اقتدار کے معاشرے کے لئے کبھی مفید ثابت نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ اجتماع سے متعلق اس کے احکام پر عمل کرنے کے لئے اقتدار ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر رسول کو صرف مذہبی برتری حاصل ہو تو سیاسی برتری کسی اور حاصل ہو گی خدا کے فرستادہ پر کسی اور سیاسی برتری توہین رسالت ہے۔ تیسرے یہ کہ رسول نے احکام شرعیہ لوگوں کے لئے بیان ہی نہیں کرنے ہوتے ان پر عمل پیرائی کے طور طریقے بھی بتانے ہوتے ہیں جو رسول کر کے دکھاتا ہے جس کی وجہ سے رسول کی ذات کے ساتھ عصمت وابستہ ہوتی ہے اور یہ عصمت غیر رسول کے ساتھ وابستہ نہیں کی جاسکتی۔ ان وجوہات کی بناپر رسول مذہبی ہی نہیں سیاسی حکمران بھی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کا دور معاشرتی فلاح و بہبود کے لحاظ سے بنی اسرائیل کا سب سے بہترین دور تھا۔

حضرت یوسفؑ کی انتظامی صلاحیتوں اور حسن اخلاق کو دیکھ کر بادشاہ وقت نے یوسفؑ کو اقتدار سونپ دیا اور اس طرح مصر میں بنی اسرائیل حکمران ہو گئے۔ قرآن کریم نے قصہ یوسفؑ کو ایک پورے مسلسل واقعہ کی شکل میں بیان کیا ہے جس کا انداز قرآن کریم کے عمومی انداز بیان سے ہٹ کر ہے۔ قرآن کریم نے خاندان بنی اسرائیل کو ایک مکمل واقعہ کی شکل میں اس لئے بیان کیا ہے کہ اس میں ایک قوم کی تاریخ کے حوالے سے انسانیت کو کچھ قوانین قدرت سے آگاہ کرنا مطلوب ہے جس کی متعدد جزئیات پیش خدمت ہیں:

1. اقتدار یوسف سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ قانون قدرت میں ریاست کے وجود کا مقصد عوام کے حقوق کا تحفظ ہے۔ یہ تحفظ صرف اسی حکومت میں ہوتا ہے جو اللہ کی حاکمیت اور اس کے نیابت کے اصول پر وجود میں آئے۔
2. انسانی رشتوں کے بارے میں بنی اسرائیلیوں کی ذہنیت اور یوسفؑ کے ہاں رشتوں کے تقدس کے واضح فرق کا بھی اس قصہ سے پتہ چلتا ہے جس سے اس قانون قدرت کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ معاشروں اور قوموں کی بقا انسانی رشتوں کے احترام کے ساتھ وابستہ ہے۔
3. اس سے یہ اخلاقی سبق سکھلانا بھی مقصود تھا کہ دورِ ابتلا میں عزت و عصمت کی حفاظت کرنے والوں کو اللہ پاک علم و اقتدار سے ضرور نوازتا ہے جیسا کہ یوسفؑ نے اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کی۔
4. اس قصہ سے یہ بھی واضح کرنا تھا کہ غیر اخلاقی اقدار کا حامل اقتدار باقی نہیں رکھا جاتا۔
5. اور یہ کہ اللہ تعالیٰ جن قوموں سے خوش ہوتا ہے انہیں مذہبی اور سیاسی اقتدار عطا کرتا ہے یہ اقتدار من جانب اللہ ایک امتحان ہوتا ہے۔
6. اس واقعہ سے یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سیاست و مذہب کی تقسیم کی کوئی حیثیت نہیں جیسا کہ اقتدار یوسفؑ سے ظاہر ہے کہ آپؑ رسول بھی ہیں اور حکمران بھی۔ اس سے یہودیت میں بعد ازاں پیدا ہونے والی مذہبی اور سیاسی تقسیم کی تردید مطلوب تھی۔
7. یہ کہ قوموں کی بقا و فنا کے عوامل دنیا میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ قوموں کی بقا نظام اجتماع میں اخلاقیات کی بقا سے وابستہ ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ تک قوم بنی اسرائیل میں اس اعلیٰ اخلاقی پیمانے کی قیادت دکھائی نہیں دیتی، بنی اسرائیل کے اقتدار کا خاتمہ فرعون کی قوم کے ہاتھوں یہی بتاتا ہے۔
8. حضرت یعقوبؑ کا تیرہ سال مسلسل رونا یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کا امتحان بھی زیادہ لیتا ہے۔
9. اولاد کے بارے میں خواہ وہ نالائق ہی کیوں نہ ہو والدین کا رویہ مثل یعقوب ہونا چاہئے جیسا کہ لاڈلے بیٹے یوسفؑ کے خلاف سازش کا علم ہونے پر آپؑ کا تھا۔ آپ نے کسی بچے کو خود سے جدا نہیں کیا اور نہ ہی کوئی بد دعا دی۔
10. اس احسن القصص سے خاندانی نظام، سیاسی حکمرانی کے نظام اور بین الاقوامی عالمی نظام کے قیام کے لئے رہنما اصول ملتے ہیں۔ خاندانی نظام جس میں آپؑ نے اپنے بھائیوں کے ہاتھوں سازش کا شکار ہونے کے باوجود بھی انہیں معاف کر دیا اور انہیں اپنے ملک میں بسایا۔ سیاسی حکمرانی کے نظام میں آپؑ نے غلّے کا ایسا انتظام کیا کہ قحط کے دنوں میں بھی آپؑ کے پاس غلّہ موجود تھا۔ بین الاقوامی عالمی نظام میں آپؑ نے ایسی مثال قائم کی کہ ارد گرد کے ممالک بھی قحط کے دنوں میں آپؑ کے ملک مصر سے غلہ خریدنے کے لئے آتے تھے۔ لہٰذا یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کی تقسیم کی خاطر سرحدی حد بندیاں قدرت کے ہاں محدود نہیں ہیں جیسا کہ آج دنیا میں ہے یوسفؑ کے دور میں ہمیں ایسی حد بندی دکھائی نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ عراق کے لوگ حصول غلہ کے لئے بلا روک ٹوک مصر آتے تھے۔

مصر میں بنی اسرائیلیوں کے زوال کے بعد مقامی قبطی قوم نے اقتدار پر قبضہ کیا جن کے حکمرانوں نے اپنے لئے فرعون کی اصطلاح استعمال کی۔ان قبطیوں کے دور میں بنی اسرائیل پر بڑے ظلم ہوتے تھے چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے ذریعے ان کو مصر سے فلسطین لایا گیا۔

فلسطین میں تقریباً ایک ہزار قبل مسیح میں طالوت بادشاہ نے اسرائیلی بادشاہت قائم کی جس میں بعد ازاں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ بھی نبی ہوئے۔حضرت سلیمانؑ کے دور میں یہودی اقتدار عروج پر تھا اور یہ سٹیٹ اسرائیلی سٹیٹ کہلاتی تھی۔دولت کی فراوانی کی موجودگی میں حضرت سلیمانؑ کے رحلت فرما جانے نے انتشار اور تشتت پیدا کر دیا جس کے نتیجے میں سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی جنوبی حصے کا سربراہ حضرت سلیمانؑ کا بیٹا رحبعام تھا یہ سلطنت یہودیہ کہلاتی تھی جس کا پایہ تخت یروشلم تھا جبکہ دوسری شمالی سلطنت اسرائیل کہلاتی تھی جس کا پایہ تخت سامریہ تھا جس کا سربراہ حضرت سلیمانؑ کا غلام یربعام تھا۔ان ہر دو سٹیٹس میں سیاسی افراتفری کے علاوہ اخلاقی گراوٹ عام تھی(10)

معاشرے کی اخلاقی قدروں کا تحفظ مذہبی طبقے کی ذمہ داری ہوتا ہے یہ طبقہ بذات خود بدکردار تھا(11) مذہبی طبقے کی بدکرداری ہی اصلا معاشرے کی تباہی کی وجہ بنتی ہے قدرت کا یہی اصول ہے اس بدکرداری کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب مسلط کیا تقریباً 734 ق م میں اشوری حکمران سارگون نے اس کے دارالحکومت سامریہ کو فتح کرلیا، ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا اور باقیوں کو قید کر کے عراق لے گیا۔اور یوں اس شمالی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔(12)

دوسری طرف یہودیوں کی جنوبی سلطنت یہودیہ (جوڈیا) جو دو قبائل پر مشتمل تھی۔اس کا پہلا حکمران حضرت سلیمانؑ کا بیٹا رحبعام تھا۔ اس سلطنت میں بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے جن میں یسعیاہ، حزقی ایل اور یرمیاہ مشہور ہوئے۔ان تمام انبیاء کی کوششوں کے باوجود بھی یہودیہ کا حال تباہ شدہ اسرائیل سے مختلف نہ تھا جس کا ذکر بائبل میں موجود ہے کہ خداوند فرماتا ہے: "میں نے جب ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے۔وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے اور ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔"(13) یہودیوں کی سلطنت جوڈیا میں سدومی قوم کے تمام جرائم کا ارتکاب بھی کیا جاتا تھا بائبل میں ہے: "اس ملک میں لوطی بھی تھے ،وہ ان قوموں کے سب مکروہ کام کرتے تھے جن کو خداوند نے بنی اسرائیل کے سامنے سے نکال دیا تھا۔"(14) یروشلم میں یہود کے جرائم بت پرستی، قتل و غارت گری، پاکیزہ چیزوں کی تحقیر، سبتوں کی بے ادبی، بدکرداری، گوشت خون سمیت کھانا،ماں باپ کی اہانت، پردیسیوں پر ظلم، محرمات کے ساتھ تعلق، حائض عورتوں سے تعلقات،لالچ، رشوت،سود، ناحق نفع وغیرہ جیسی خصلتیں پائی جاتی تھیں (15)اس قسم کے اخلاقی معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کرنا مذہبی طبقہ کی ذمہ داری ہوتی ہے لیکن اسرائیلی سلطنت کی طرح یہاں (جوڈیا میں) بھی مذہبی طبقہ اخلاقی گراوٹ اور بدکرداریوں میں برابر کا شریک تھا جسے بائبل مختلف مقامات پر یوں بیان کرتی ہے: "وہ سب چھوٹے سے بڑے تک لالچی ہیں اور نبی سے کاہن ہر ایک دغا باز ہیں" (16) مذہبی طبقہ دوسروں کی اصلاح کرنے کی بجائے خود ہی اخلاقی کرپشن اور بدکرداریوں میں مبتلا تھا تاریخ کا یہ متفقہ بیان ہے کہ آرام طلبی اور عیش پسندی سے ہمت اور جفاکشی ختم ہو جاتی ہے اور قوم اپنی بقاء کی خاطر لڑنے کی صلاحیت بھی کھو بیٹھتی ہے۔ یہودیہ کا بھی یہی

حال ہوا عیش پرستی وآرام پسندی نے ان کے لڑنے کی صلاحیت بھی ختم کر دی تھی۔ تقریباً 586 قم میں یہودیہ کی ریاست پر بخت نصر نے حملہ کیا اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر بابل لے گیا اور یہود جوابی کاروائی نہ کر سکے۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بیت لحم میں ہوئی اس وقت ہیرود اعظم یہودیہ کا بادشاہ تھا۔ ہیرود کے بعد سلطنت اس کے بیٹوں میں تقسیم ہو گئی اس کا بیٹا (ارکیلاؤس) یہودیہ کا بادشاہ بنا (17) اسی کے دور میں حضرت زکریا کا قتل کیا گیا (18) جب ہیرود اعظم کا پوتا اخی اب سلطنت اسرائیل کا بادشاہ بنا اس نے سامریہ میں اسرائیل پر بائیس سال حکومت کی۔ اس کے زمانے میں قوم بت پرستی کی طرف مائل ہو چکی تھی بت پرستی کو تحریک دینے والی اس کی بیوی ایزابل تھی جو اپنے دیوتا بعل کی پوجا کو بڑی تیزی سے فروغ دے رہی تھی۔ اخی اب اسرائیل کا سب سے بدکردار بادشاہ تھا ''اس نے اسرائیل کے سب بادشاہوں سے زیادہ جو اس سے پہلے ہوئے تھے خداوند اسرائیل کے خدا کو غصہ دلانے والے کام کئے۔'' (19)

بائبل میں ہے کہ اخی اب نے اپنے بھابی (ہیرودیاس) کو اپنی بیوی بنا لیا تھا حالانکہ یہ امر یہودیوں کی شریعت میں جائز نہ تھا اسی لئے حضرت یحییٰؑ نے علماء یہود اور کاہنوں کے ساتھ مل کر اس کے خلاف آواز اٹھائی تھی تو ہیرودس نے ان سب کو مع یحییٰؑ قتل کروا آپ علیہ السلام کو ایک رقاصہ کی فرمائش پر قتل کروا گیا تھا (20)

جب منصب نبوت حضرت عیسیٰ کو عطا ہوا تو آپؑ نے بھی حاکمیت اللہ کی بات کی اور قوم کو غلط راستے سے روکا تو یہود کو اپنی اجارہ داری کا خطرہ محسوس ہوا، لہٰذا یہودیوں کے سب کاہن اور بزرگ جمع ہو کر اپنی مذہبی اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لئے حضرت عیسیٰ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے (21) مبینہ مصلوبیت مسیح کا واقعہ بھی انہی سازشوں کی ایک کڑی ہے۔ یہودیوں نے جب دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ ایک نئی شریعت کا حکم دے رہے ہیں تو انہوں نے اپنی اجارہ داری اور چودھراہٹ کو خطرے میں محسوس کیا اور مسیح کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور بزعم خود ان کو مصلوب کرایا " (22) حضرت عیسیٰؑ اس دنیا سے جانے سے پہلے ان کو خدا کے عذاب کے نزول کے بارے میں بتا گئے تھے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی کے مطابق 70 عیسوی میں رومی حکمران ''ٹائٹس'' نے حملہ کر کے اس سلطنت کا بھی نام ونشان ختم کر دیا اس تباہی کا ذکر قرآن کریم میں یوں ہے:

وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ فِى ٱلْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا (23)

" پھر ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر متنبہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔ "

جو قوم اپنے انبیاء کرام اور ان کے گھرانوں پر جو کہ معاشرے کے آئیڈیل گھرانے ہوتے ہیں الزام تراشیاں کرتی رہی ہو اپنے مفادات کی خاطر جس قوم کے ہاتھ ان کے اپنے انبیاء کرام کے قتل سے رنگے ہوئے ہوں اخلاقی بے راہ روی پھیلانا جس کا کلچر ہو قومی برتری کا جنوں جن کے دماغوں میں سمایا ہوا ہو اس قوم سے کسی قسم کی بھلائی کی امید وہی سادہ مزاج انسان رکھے گا جو قوموں کی تاریخ سے ناواقف ہو اپنے اقتدار کے دوام و بقا کی خاطر ایسی قوم کچھ بھی کر سکتی ہے اور کر رہی ہے۔ دور حاضر کی چند جھلکیاں درج ذیل ہیں۔

دور حاضر اور اسرائیل

اسی طرح آج انسانیت جس بد اخلاقی اور بد کرداری کی طرف جا رہی ہے اس میں بھی مکمل طور پر اسرائیل کا ہاتھ ہے کیونکہ یہودی نیٹ ورک "فوکس لائف" ٹیلیویژن چینل کے شرمناک پروگرام اور انٹرنیٹ پر دکھائی جانے والی حیا سوز فلمیں یہودی بد اخلاقی کا ثبوت ہیں۔اخلاقی گراوٹ کے لحاظ سے اسرائیل دنیا کے ممالک میں صف اول پر آتا ہے یہاں تل ابیب قوم لوطیت کا ایک بڑا مرکز ہے۔ (24) اس کے علاوہ اسرائیل عورتوں کی خرید و فروخت کا ایک بڑا مرکز ہے جس کا ثبوت ہمیں اس مضمون سے ملتا ہے جو لاہور سے شائع ہونے والے اردو ہفت روزہ ''ندائے ملت'' میں شائع ہوا ہے جس کے مطابق: ''یہاں (اسرائیل میں) پوری دنیا بالخصوص روس سے لڑکیاں لائی جاتی ہیں جن کی قیمت ایک ہزار روپے سے چار ہزار ڈالر تک ہوتی ہے یہاں عورتیں کرائے پر بھی مہیا ہوتی ہیں۔150-300 اور 5000 شیکل اسرائیلی کرنسی میں آدھے گھنٹے کے لئے کرائے پر عورت مل جاتی ہے۔جبکہ منشیات، ایڈز اور منی لانڈرنگ کا بھی یہ ملک ایک بڑا مرکز ہے۔(25)

مذکورۃ بالا تمام بیانات یہودی تاریخ کے اخلاقی دیوالیہ پن کے براہ راست گواہ ہیں۔انسان کو اخلاقی دائروں کے اندر مذہب کا عقیدہ آخرت ہی رکھتا ہے اس لیے کہ اس عقیدے کے مطابق انسان نے قیامت کے روز اپنے اعمال کا حساب و کتاب دینا ہے۔ عقیدہ آخرت کی اگر انسانی زندگی پر گرفت باقی نہ رہے تو پھر انسان کو بداعمالیوں کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔یہودی تاریخ کا المیہ یہ بھی ہے کہ ان کا عقیدہ آخرت بذات اور برگزیدہ قوم ہونے کا تصور ہی اس قوم کو اس بے راہ روی پر لگاتا ہے خود کو دنیا کی افضل ترین قوم (26) سمجھنے کے باعث ہی یہودی آج ساری دنیا کو ہدایت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔تالمود کے مطابق:

> "In the Hereafter Abraham will sit at the enterance of Gehinnom and will not allow any circumcised Israelite to descend into it."(27)

"آخرت میں ابراہیمؑ جہنم کے داخلی دروازے پر بیٹھیں گے اور کسی اسرائیلی کو اندر نہیں جانے دیں گے۔"

لہٰذا جس کے دل سے جہنم اور آخرت کے عذاب کا ڈر نکل جائے اور اسے بخشش کی گارنٹی بھی مل جائے اور خدا بھی صرف اور صرف اسی قوم کا ہو تو اس قوم کے اندر تو نسلی تعصب اپنے آپ ہی پیدا ہو جائے گا اور دوسری اقوام کے بارے میں منفی جذبات پیدا ہوں گے۔چنانچہ یہودیوں کے ہاں بھی ایسا ہی ہے۔وہ غیر یہودیوں کے قتل کو سانپ کے مارنے سے تشبیہ دیتے ہیں:

> "Kill the best of the Gentile! Crush the head of the best of snakes"(28)

یہودیوں میں قومی برتری کے اس واضح تصور کو یورپ میں خوب پذیرائی ملی، قومی برتری کا یہ تصور اب یورپ کی تاریخ کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔پہلے پہلے یورپ میں نیلی آنکھوں والے لوگوں کو برتر تسلیم کیا جاتا تھا، پھر ایسے لوگوں کی برتری کو جن کے جسم پر کوئی بال بھی موجود نہ ہوتا، اس کے بعد سفید فام لوگوں کو برتر تسلیم کیا جانے لگا۔امریکن وکیل میڈیسن گرانٹ نے اس سلسلہ میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "دی پاسنگ آف دی گریٹ ریس" ہے جو 279 صفحات پر مشتمل ہے۔یہ سفید فام نسلی برتری پر دیئے گئے دلائل کی معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے۔یہ کتاب ہٹلر کی پسندیدہ کتاب تھی اور دور حاضر میں نیوزی لینڈ حملے کے مجرم برنٹن اور امریکہ

کے صدر ٹرمپ کی بھی پسندیدہ کتاب ہے۔اسی بنا پر ٹرمپ نے چند دن پہلے سیاہ فام کانگریس کے ممبران کو ملک چھوڑنے کا مشورہ دیا۔لہٰذا آج کے عالمگیر دور کے لئے انسانی تقسیم کا یہ نظریہ ایک مہلک زہر ہے۔

قومی برتری کا دوسرا مطلب تہذیبی برتری ہوتا ہے تہذیبی برتری کا احساس دنیا میں اپنے تہذیبی غلبے کے جنون میں مبتلا کرتا ہے ہر قوم نے اپنے عروج کے دور میں یہی رویہ رکھا ہے۔آج ہمیں ہماری نجی زندگیوں سے لے کر اجتماعی معاملات میں یہودی برتری واضح طور پر دکھائی دیتی ہے مثلاً ہم اپنی روز مرہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ بہت سی ایسی اصطلاحات جو کل تک استعمال نہیں ہوتی تھیں اب ہمارے ہاں استعمال ہوتی ہیں مثال کے طور پر یاہو سروس، یاہو یہودیوں کے خدا کا نام ہے۔جاز کنیکشن ،جاز ان کی مذہبی موسیقی کا نام ہے جس کا ذکر "The International Jews" میں Henry ford نے کیا ہے۔اس کے علاوہ ایک عربی محاورہ ہے کہ :''اذا فات السبت فات الست'' یعنی ہفتہ کا دن ضائع ہوا تو پورا ہفتہ ضائع ہو گیا، ہمارے ہاں یہ جملہ بھی یقیناً یہودیوں سے ہی آیا ہوا ہے کیوں کہ ہفتے کا دن ان کے ہاں بہت مقدس ہے اور عبادت کے لئے مخصوص ہے وہ اس دن کوئی بھی دنیاوی کام نہیں کرتے۔666 کے نام سے ایک سروس آرہی ہے اور یہ عدد یہودیوں کے نجات دہندہ دجال کے نام کا عدد ہے۔اسی طرح کسی وفات پر اسلامی طرز حیات کے مطابق قرآن خوانی یا دعا مغفرت کی بجائے موم بتیاں جلانا یہودی مذہبی رسم ہے۔اس کے علاوہ بھی بہت سی ایسی اصطلاحات ہیں جو غیر یہودی معاشرے پر اپنی جڑیں گاڑ چکی ہیں اور اسے تباہی کی طرف لے کے جا رہی ہیں۔آزاد خیالی (Liberalism)، لوطیت (Pederasty)، نسوانی ہم جنس پرستی (Lesbianism) پر مبنی ویب سائٹ اور آئے دن اخبارات میں بچوں کے ساتھ زیادتی کی خبروں کی بھرمار، یہ سب یہودیوں کے کلچر کے تحفے ہیں جو اخلاقی طور پر پوری دنیا کو برباد کر رہے ہیں۔

یہودی معاشرے میں سود کا کاروبار کیا جاتا تھا۔(29) یہ محصول صرف غیر یہودیوں سے لیا جاتا تھا اور یہود اس سے بری تھے۔(30) معاشی خوشحالی کی بنیاد سونے پر ہے آج بھی وہی ملک خوشحال تصور ہوتا ہے جس کے پاس سونے کا ذخیرہ ہو۔امریکہ کے پاس اس وقت آٹھ ہزار ٹن سے زیادہ سونا ہے اس سے کم جرمنی کے پاس ہے جو چار ہزار ٹن سے کم ہے جبکہ پاکستان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ معیشت اور تجارت میں سونے کی اہمیت کا یہ تصور آج کے دور میں ہی نہیں بلکہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، کیونکہ بنی اسرائیل کے دور میں بھی سونے چاندی کی بہت اہمیت تھی اور انکی تجارت اور معیشت کی بنیاد بھی انہیں چیزوں پر ہی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے دور میں بنی اسرائیل نے عبادت کے لئے جو بچھڑا بنایا تھا وہ بھی سونے کا تھا سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان کے پاس اس وقت سونا کہاں سے آیا؟تو اس کا جواب بائبل سے ملتا ہے کہ : "بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے موافق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لئے۔اور خدا نے انہیں مصریوں کی نظر میں ایسی عزت بخشی کے جو کچھ انہوں نے مانگا انہوں (مصریوں) نے دے دیا سو انہوں نے مصریوں کو لوٹ لیا۔" (31)

بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے زیر عتاب رہ کر ان کی معاشیات کا اندازہ کر لیا تھا اور انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قومی خوشحالی سونے سے وابستہ ہے۔آج بھی دنیا کی سونے کی تجارت پر یہودیوں کا پورا پورا کنٹرول ہے۔عراق کے صدام حسین کو راستے سے اسی لئے ہٹایا گیا کیونکہ اس نے سونے کے دینار کا منصوبہ بنا لیا تھا اور تیل کی قیمت بھی سونے کی شکل میں وصول کرنے کے منصوبے پر کام کر رہا تھا

۔ لیبیا کے کرنل قذافی بھی جب تک تیل کی قیمت ڈالر میں وصول کرتے رہے تب تک سب کچھ ٹھیک تھا مگر جیسے ہی اس نے تیل کی قیمت سونے کی شکل میں وصول کرنے کا اعلان کیا تو اس کے خلاف "عوامی انقلاب" برپا کر دیا گیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ دنیا میں ہر طرف معاشی ہلچل کے باوجود اسرائیل وہ واحد ملک ہے جس کی کرنسی (شیکل) کو کسی بھی مالیاتی عالمی اتار چڑھاؤ سے فرق نہیں پڑتا ۔اس کے علاوہ ریزرو بینک آف امریکہ جو ڈالر چھاپنے کا اختیار بھی رکھتا ہے وہ امریکی حکومت کی ملکیت نہیں بلکہ 16 یہودی خاندانوں کی ملکیت ہے ، امریکہ اور یورپ کے تمام بڑے عالمی بینکوں کے مرکز دفتر اسرائیل منتقل ہو چکے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی سیاست اور معاشیات پر یہودیوں کا کس قدر کنٹرول ہے۔

اسی طرح پوری دنیائے سیاست کو گھیرے ہوئے جمہوری طرزِ حکومت کے خدوخال جس کا ماخذ یہودی تاریخ ہے جس کی مثالیں ہمیں حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کے دور میں بھی ملتی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ فرعونی دور حکومت حاکمیت الٰہ کی نفی اور انسانی تقسیم پر مبنی تھا جبکہ حضرات انبیاءؑ کا نظام حاکمیت الٰہ اور انسانی ضرورتوں کی مفاد پرستی پر مبنی تھا۔آج کی دنیا میں لادینی جمہوریت کی نقالی اور انبیاء کے قائم کردہ جمہوری نظام حکومت کی نفی ہورہی ہے ۔نیز یہودی احساس برتری کی بنیاد پر غیر یہودیوں کا قتل ، غیر قوموں کے خلاف دہشت گردی ، خودکش حملوں کا تصور حکمرانوں کے خلاف خروج یا بغاوت ، حکمرانوں پر دھرنے اور جلسے جلوس کی سیاست کے ذریعے دباؤ اور انصاف کا خون کر کے اپنے پسند کے فیصلے کروانا جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کی مبینہ مصلوبیت سے ظاہر ہے کہ آج موجودہ عالمی سیاست کا مزاج یہی کچھ ہے ۔ کمزور اقوام کا استحصال، خودکش حملے ، قتل و غارت گری، مغربی ممالک میں مسلم مخالف فضا، مسلم ممالک کے داخلی معاملات میں دھرنے، جلسے جلوس ، مصر میں اخوان کی جمہوری حکومت کا خاتمہ، عراق میں خون ریزی، لیبیا میں قذافی کا قتل، انڈونیشیا میں مشرقی تیمور کا وجود، 1971ء میں دولخت پاکستان، افغانستان، کشمیر میں مسلم خون ریزی ان سب کے پیچھے امریکن سی۔آئی۔اے اور امریکن افواج کا نام ہی آتا ہے جبکہ امریکن سیاست پر یہود کا مکمل غلبہ ہے۔ عراق پر حملے کے وقت بش کی تقریباً پوری کابینہ کولن پاؤل، ریمزے فیلڈ اور ڈک چینی جیسے یہودیوں پر مشتمل تھی۔ امریکہ میں یہود کے سیاسی اثر و رسوخ کے تفصیلی مطالعے کے لئے امریکی پروفیسر جیمز پیٹراس کی کتاب "دی پاور آف اسرائیل ان دی یونائٹڈ سٹیٹ" مطالعہ کیجئے۔اس کے علاوہ امریکی رائٹر ایڈورڈ سائڈ بھی یہودیت کے زیر اثر پروان چڑھنے والی امریکی دہشت گردی کے خلاف مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :

> "It is surely one of the intellectual caststrophes of history that an imperialist war confected by a small group of unelected U.S officials was waged against a devastated Third World.The major influences on Georrge W. Bush were men such as Bernard Lewis and Fouad Ajami."(32)

یاد رہے کہ اس وقت یہودی دنیا کے سب سے بڑے علمی مربی جناب برنارڈ لوئیس (زندہ) ہیں۔ ہنری کسنجر جیسا شخص بھی اسی کو امام مانتا ہے۔ جبکہ تیسری دنیا کے خلاف امریکہ کی اس خون ریزی کو ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے ہنری کسنجر سابق وزیر خارجہ لکھتے ہیں کہ تمام دشمنوں کو ختم کر کے ان کو اقوام متحدہ کے زیر سایہ جمع کرنے کا کام امریکہ ہی کر سکتا تھا اور اس نے کیا ہے:

"That we totaly defeated our enemies and then brought them back to the community of nations."(33)

یہودی لابی امریکہ کے ذریعے ان تمام انسانی خدمات کو سر انجام دلوا کر، ذاتی طور پر بھی مسلمانوں کے خلاف فلسطین میں جو کچھ کر رہی ہے وہ بھی دنیا کے سامنے ہے۔اس بارے میں اقوام متحدہ کی اسرائیل کے خلاف مذمتی قرار دادیں بھی ریکارڈ پر ہیں۔یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن کو کوئی بھی انصاف پسند لکھاری یا سیاستدان مغرب کا ہو یا مشرق کا عالمی امن کے قیام کے سلسلہ میں نظر انداز نہیں کرے گا۔یہ بھی اس دور کا المیہ ہے کہ اس سب کچھ کا نشانہ دنیا کی دوسری بڑی وہ اکثریت ہے جس نے 1400 سال عالمی حکمرانی کی ہے جس کے دور اقتدار میں یہود نے بڑے آرام اور سکون کی زندگی گزاری، عیسائیوں نے بیت المقدس میں یہودیوں کا داخلہ بند کیا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح بیت المقدس کے موقع پر بیت المقدس کے پوپ نے شہر کی چابیاں جب حضرت عمر کے حوالے کیں تو یہ شرط رکھی تھی کہ یہودیوں کو اس شہر میں داخلے کی اجازت نہ ہو گی جسے حضرت عمر نے تسلیم نہ کیا تھا۔اس کے علاوہ مسلم دور حکومت میں امن و سکون سے زندگیاں گزارنے پر خود ان کا لٹریچر گواہی دیتا ہے۔کینیڈا کی جیوئش کانگریس کے ڈائریکٹر جناب ڈیوڈ بر نام اپنی کتاب "Thunderation" میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے سب سے پر سکون دور سپین میں مسلمانوں کے دور میں سلطان صلاح الدین ایوبی اور عثمانیوں کے دور حکومت میں گزارا ہے۔مسلم حکمران صلاح الدین ایوبی نے یروشیلم میں یہودیوں کو داخلے کی اجازت دی۔

"Sladin Conquers Jeruslam from Crusaders (1187 c.e) allows Jewish Settlement." (34)

یہی مصنف آگے لکھتے ہیں کہ ترکی میں سلیمان اعظم قانونی (1553ء) میں یہود کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا جاتا تھا، یہود اپنے تمام حقوق کے ساتھ ایک مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔مسلمانوں کے دور اقتدار میں پر سکون اور مطمئن زندگی گزارنے والے یہودی جب اسرائیل کی ناجائز شکل کی صورت میں منصہ شہود پر آئے تو سب سے زیادہ مسلمانوں کا ہی خون بہنے لگا ہے اور آج ستر سال سے یہی کچھ ہو رہا ہے۔انسانیت کے خلاف یہ عالمی دہشت گردی پر مبنی منظر نامہ قانون فطرت کے مقاصد کے بھی منافی ہے۔فطرت اس قسم کے دہشت گرد عنصر کو زیادہ عرصہ حق حکمرانی نہیں دیا کرتی اس کے جلد یا بدیر حتمی نتائج دو ہوں گے:

1۔یونائیٹڈ سٹیٹ امریکہ، یونائیٹڈ نیشن امریکہ بن جائے گا۔یہودیت اپنے عالمی اقتدار کے لئے امریکہ کو بھی عالمی حکمرانی پر قائم نہیں رکھے گی۔

2۔اس ساری انسانیت کش نظریات کی حامل اسرائیلی قوم بھی باقی نہیں رہے گی اس کا ماضی بھی افسوس ناک ہے اور مستقبل بھی شرمناک ہو گا۔ قدرت انہی عوامل کی حکمرانی کو قائم رکھتی ہے جو افادہ انسانیت کے دائرے میں رہ کر حکمرانی کرتے ہیں۔

پس چہ باید کرد

اس مضمون سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ قربِ قیامت امت اپنے تہذیب و تمدن سے غافل ہو کر بنی اسرائیل کے تہذیب و تمدن پر کار بند ہو جائے گی اس چیز کی نشاندہی حضور ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمائی ہے جسے امام ترمذی، امام ابو داؤد، امام احمد بن حنبل نے

روایت کیا ہے اور اسے باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کی الفصل الثانی حدیث نمبر 31 میں صاحب مشکوٰۃ نے بھی بیان کیا ہے: ’’اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلا شبہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا اور دونوں میں ایسی مماثلت ہو گی جیسا کہ دونوں جوتے بالکل برابر اور ٹھیک ہوتے ہیں یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بد فعلی کی ہو گی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا ہی کریں گے اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور وہ تمام فرقے دوزخی ہوں گے ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہو گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جنتی فرقہ کون سا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس میں میں اور میرے صحابہ ہوں گے۔‘‘ (35)

بغور دیکھا جائے تو آج کا مسلم معاشرہ یہودی معاشرے کی مکمل عکاسی کرتا نظر آتا ہے۔ افسوس کہ آج مسلمان مذہب سے دوری کی بدولت اپنی تہذیب و ثقافت کو بھول کر بے راہ روی کا شکار ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے ان میں اخلاقی زوال، بے حیائی، جھوٹ، چغل خوری، مکر و فریب، غرور و تکبر یہاں تک کہ ہر وہ برائی جو یہود میں تھی ہم میں سرایت کر گئی ہے۔

اس مضمون میں ہم نے آج کی انسانیت کو درپیش ایک مہیب خطرے سے آگاہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انسانیت کا محافظ بنایا تھا جب سے انہوں نے انسانیت کی حفاظت کا کام چھوڑا ہے تب سے انسانیت غیر محفوظ ہو گئی ہے۔ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ہزاروں جنگیں ہوئیں لیکن اتنے لوگ نہیں مرے جتنے مسلمانوں کے اقتدار سے غائب ہونے کے بعد دو جنگوں میں عیسائیوں نے باہم لڑ کر مار دیئے اس کی وجہ یہی تھی کہ انسانیت کے محافظ مسلمان عالمی سیاسی منظر نامے سے غائب تھے۔ اس کے بعد انسانی قتل و غارت گری کا ایک ایسا دور شروع ہوا ہے جو ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ میں حالیہ ہونے والا واقعہ عراق میں جنرل قاسم سلیمانی کا قتل بھی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں افغانستان کے امیر ملا عمر کی بات یاد رکھنی چاہئے کہ امریکہ باریاں لگا رہا اسے باریاں مت لگانے دو، مطلب کبھی افغانستان کی، کبھی عراق، کبھی ایران کی باری پھر ایک کے بعد ایک ملک کی باری۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایران نے مشرق وسطیٰ میں جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ مسلم امۃ کے لئے کوئی مفید پہلو نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنی لڑائی ملک سے باہر اور صرف شیعہ بنیاد پر لڑی ہے اس سے امت کا نقصان زیادہ ہوا ہے۔ لبنان میں "حزب اللہ" بنی ہے، یمن میں ہوسیوں کو اٹھایا گیا ہے یہ سب مسلم امۃ کا نقصان ہے۔ اس وقت امت مسلمہ کے نقصان کے ذمہ دار دو ملک ہیں ایک ایران اور دوسرا سعودیہ عرب۔ میری آخر میں گزارش ہے کہ ان دو ممالک پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مسلم امۃ کے مفاد کو مد نظر رکھیں اور سر پر موجود دشمن کو ایسا موقع نہ دیں کے بعد میں سوائے افسوس اور ماتم کرنے کے ہم کچھ نہ کر سکیں۔ ہمارے ارباب و اختیار کو سوچنا ہو گا کہ یہ ہماری مذہبی، قومی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ اپنی حد تک غلط رویوں کے خلاف جدو جہد کریں اور اپنی ذمہ داری پوری کریں۔

References

1. Huntington, Samuel, P."The Clash of Civilization Remaking of World Ordor", touchstone Rockefoller Center New York USA, 1997, p.97
2. Balfour, Arthur James, Edward W.Said Orientalism, Vintage book, NewYork, p.30.
3. The Qur'an : 28: 38
4. The Qur'an : 20: 63
5. The Qur'an : 40: 29
6. The Qur'an : 6: 165
7. The Qur'an : 41: 30
8. Hasting.D.D, James, Dictionary of Bible, Clork 38 George stret, Edinburgh, p534.
9. Bible , Genesis : 34,35,38
10. Bible, Hosea:4,8 , Amos: 5,6
11. Bible, Amos: 5:10
12. صدیقی،مظہر الدین،اسلام اور مذاہب عالم،ادارہ ثقافت اسلامیہ ، لاہور،ص 68

    Ṣidīqī, Maẓhar āldīn, "Islām āwr Maḏāhb Aʿālm", ādārah ṯhqāfat Islāmiah, Lahore, p68
13. Bible, Jeremiah:5: 7-8
14. Bible, 1Kings: 24:14
15. Bible, Ezekiel: 22:3-22
16. Bible, Jeremiah: 8:10
17. Ibid, 22
18. ابن خلدون،عبدالرحمٰن،تاریخ ابن خلدون،نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، 224/2

    Ibn Kẖaldwn, Aʿbdulraḥmˈn, "Tārīkẖ Ibn Kẖaldwn", Nafīs ācademy Urdu bāzār Karachi, 2/224
19. Bible, 1Kings: 16: 29-33
20. Bible, Matthew: 14:3-10
21. Bible, Jonah: 11:47-51
22. Bible, Luke: 23: 15-24
23. The Qur'an: 17: 4
24. محمد احسن ،بٹ،جدید اسرائیل کی تاریخ،دارالشعور، لاہور، ص 78

    Muḥammad Āḥsn, Butt, "Ǧadēd Israīl Kī Tārīkẖ, Dār ālšhʿwr, Lahore, p.78

25. محمد انیس الرحمٰن ،"اسرائیل عالمی مافیا مرکز بن گیا"،ہفت روزہ ندائے ملت ،1 تا 7 مئی 2008ء، لاہور، ص 22۔
Muḥammad Ānīs alrahmān, "Isrāīl Aʿālmī Māfiyā Markz ban Gyā", haft rawzah Nidāʾy Millat, 1 to 7 May 2008, Lahore, p.22

26. Cohen Abraham, "Everymen's Talmud", Schocken books NewYork, 1957, p.59.

27. Ibid, p.381

28. Ibid, p.66

29. Bible, Loukas:19:12-25

30. Bible, Matthew:17:24

31. Bible, Exodus:12:35-36

32. Balfour, Edward W.Said Orientalism, p.xix

33. Kissinger,Henry,World Order,Washington times, p.1

34. David Birnbaum, Thunderation! an Integrated Jewish TimeLine, Danny Levine, New York, 2008, p.72.

35. ترمذی،ابو عیسیٰ محمد،امام،جامع ترمذی،کتاب الایمان،باب ما جاء فی افتراق ھذہ الامۃ،حدیث 2639، دارالسلام للنشر والتوزیع،ریاض، سعودیہ عرب۔
Tirmḏī, āb Eʿsā Muḥammad, Imām, "Ǧāmʿ Tirmḏī, Kitāb ālāēmān, bāb mā ǧāʾ fī Iftrāq haḏhi ālummaẗ, Ḥadīṯh: 2639, dārālslām lilnšhar wāltwzīʿ, Saudi Arab.